کامل یقین کے ساتھ دنیا کو ہدایت کی طرف بلانا ہے اور کامل یقین کے بغیر ہدایت کی طرف بلانا بے کار ہو جایا کرتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16 / اگست 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۵﴾ (بنی اسرائیل:85)

پھر فرمایا:

قرآن کریم کی بعض آیات کے حوالے سے میں نے گزشتہ خطبات میں وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ:3) کے مضمون پر روشنی ڈالی تھی کہ نیکیوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور بدیوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ اسی تعلق میں اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے دعوت الی اللہ کا مضمون بیان کیا تھا۔ دعوت الی اللہ بھی دراصل وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے نتیجے میں طبعًا پیدا ہوتی ہے اور اس پہلو سے میں مضمون کے کچھ حصے کو بیان کر سکا تھا کچھ باقی تھا کہ وقت ختم ہو گیا۔ آج میں نے اس مضمون کے ایک اور پہلو کو اٹھایا ہے جو دراصل بعض ذہنوں میں ایک اشتباہ پیدا کرتا ہے اس کی وجہ سے وضاحت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا کہ تو کہہ دے کہ ہر شخص اپنی تخلیق، اپنی تشکیل کے مطابق کام کرتا ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، وہی جانتا ہے جو تمہارا رب ہے کہ تم میں سے کون زیادہ صحیح رستے پر تھا یا زیادہ صحیح رستے پر ہے۔ دوسری طرف قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ جو بت پرست ہیں، جو شرک

کرنے والے ہیں ان پر بھی تم تحکم نہ کرو اور اس یقین کے باوجود کہ خدا ایک ہے ان کے بتوں کو بھی گالیاں نہ دو۔ وجہ کیا ہے: كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام:109) کیونکہ ہم نے اس طریق پر ہر شخص کو اس کا مسلک خوب صورت کر کے دکھایا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں ہی ٹھیک ہوں۔ ہاں جب تم مرجاؤ گے ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ ان لوگوں کا، سب کا جب رجوع خدا کی طرف آخر پہ ہوگا تو وہ فیصلہ کرے گا کہ کون صحیح تھا اور کون غلط تھا۔

ان دو آیات کے پیش نظر کیا دعوت الی اللہ کرنا درست بھی ہے کہ نہیں۔ کیا ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ بھی سکتے ہیں کہ نہیں کہ ہم حق پر ہیں؟ کیا ان آیات کا مضمون اس زعم سے متصادم تو نہیں کہ ہر انسان کہے کہ میں حق پر ہوں؟ زیادہ گہرائی سے جب ان آیات کے مضمون پر غور کیا جائے تو یہ متصادم نہیں ہے بلکہ بالکل اور مضمون ہے جو بیان ہو رہا ہے۔ جہاں یہ فرمایا: كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ جب یہ فرمایا فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا وہاں ساتھ یہ بھی تو اعلان فرمایا عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ (یوسف:109) کہ میں اور میرے ماننے والے تو بصیرت پر قائم ہیں، دن کی روشنی کی طرح صداقت کو دیکھ رہے ہیں اور پہچان رہے ہیں اور تم اندھیروں میں بھٹک رہے ہو تو چونکہ قرآن کریم کی کوئی آیت کسی دوسری آیت سے ٹکراتی نہیں ہے اس لئے بظاہر متصادم آیات کو اکٹھا دیکھ کر ایسا نتیجہ نکالنا پڑے گا جو ان تینوں کے اندر تصادم نہیں پیدا کرتا بلکہ تعاون پیدا کرتا ہے اور تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کا ایک یہ بھی مضمون ہے۔

تو نیکی کے حصول کے لئے تم خود جیسے دوسروں سے تعاون کرتے ہو، تعاون چاہتے ہو قرآن کریم کی آیات بھی ایک دوسرے سے تعاون کر رہی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ تم قرآن کریم کی متعلقہ آیات کو اکٹھا دیکھو اور ان کو متصادم پاؤ کیونکہ ایک آیت جب دوسرے سے متصادم ہو تو ان کے مصنف کے دماغ میں خلل کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے یہ یقینی اور قطعی حقیقت ہے، اٹل بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کبھی بھی متضاد کلام نازل نہیں ہوسکتا، نہ ہوا ہے۔ پس جہاں تصادم دکھائی دے وہاں مومن کا فرض ہے، اس کے تقویٰ کا تقاضا ہے کہ تصادم کے پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے تعاون کا رنگ نکالے اور جب آیات ایک دوسرے سے

تعاون کریں گی تو مضمون بالکل کھل جائے گا۔ پس اس پہلو سے جہاں تک اپنے اشتباہ کا تعلق ہے میں اس کی طرف واپس آتا ہوں۔

یہ خیال کر لینا کہ ان آیات کا یہ معنی ہے کہ انسان کو اس دنیا میں کسی قطعی حقیقت کا علم ہو نہیں سکتا یہ غلط ہے۔ یہ اگر مضمون ہو تو سارا نظامِ دین درہم برہم ہو جائے۔ اس لئے یہاں ایک اور بات کی بحث چل رہی ہے وہ بنیادی حقوق کی بحث ہے۔ انسان کے خدا پر بھی حقوق ہیں، بندوں پر بھی حقوق ہیں اور خدا کے انسان پر بھی حقوق ہیں اور بندوں پر بھی حقوق ہیں۔ یہ مضمون قرآن کریم کی رو سے کامل عدل پر قائم ہے اور عدل کا جو نظام ہمیں ان حقوق کے معاملات میں ملتا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ چنانچہ جو مضمون ان دو آیات کے حوالے سے میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے یعنی ہر شخص شَاكِلَتِهٖ پر کام کرتا ہے اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون صحیح ہے اور ہر شخص کو اپنی چیز اچھی دکھائی دیتی ہے اور قیامت کے دن جب تم خدا کی طرف لوٹ جاؤ گے تو وہ فیصلہ کرے گا۔

ان باتوں میں کہیں تضاد تو نہیں۔ یہ مضمون ہے جو میں آپ کے سامنے کھول رہا ہوں۔ کوئی تضاد نہیں بلکہ ایک ایسا مضمون بیان ہو رہا ہے جو انسان کو بشریت کے تقاضے سکھاتا ہے، اس کو عجز کی اعلیٰ تعلیم دیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس سے خدائی کے حق کو چھینتا ہے اور اس کو بتاتا ہے کہ تم اپنی عقل پر بھروسہ کرنے کے باوجود خدائی اختیارات اپنے قبضے میں لینے کے اہل نہیں ہو، نہ تمہیں یہ دیئے جائیں گے۔ یعنی دو آیات ہیں جو انسان اور انسان کے درمیان ایک بنیادی عدل کی تعلیم دینے والی ہیں۔ پس ہر شخص جو کسی بات کو حق سمجھے خواہ وہ حق ہو یا نہ ہو، یہ قرآن کریم نہیں کہہ رہا کہ ہر بات جو انسان سمجھتا ہے وہ حق ہی ہوتی ہے، یہ بحث یوں ہے کہ اگر ایک انسان کسی بات کو حق سمجھتا ہے تو یہ فیصلہ اللہ ہی کر سکتا ہے کہ واقعۃً وہ حق سمجھ بھی رہا تھا کہ نہیں، جھوٹا تو نہیں تھا اور اگر وہ سچا ہو حق سمجھنے میں تو اس کو سزا مل ہی نہیں سکتی۔ پس سزا کا تعلق لازماً اس احساس کے ساتھ ہے جو انسان کو مجرم کرتا ہے اور اس کا ضمیر ہے جو ہمیشہ اس کو مجرم کرتا ہے۔ پس جہاں تک دنیا کے دیکھنے کا تعلق ہے، دنیا اس کے ضمیر کی آواز تو نہیں سنتی، اس کو پتہ ہی نہیں کہ اس کے اندر کیا کیا آوازیں اٹھتی رہیں اور کیوں یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کو اپنی غلطی کا چاہے تو علم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ﴿۱۵﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (القیامہ: 15، 16) کہ یہ کہہ دینا

کہ ہم کسی کو ہر بات اس کو اچھا کر کے دکھاتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ ہر شخص جو جھوٹا ہو غلط کار ہو وہ جائز طور پر اس بات کو اچھا دیکھتا ہے اور اس کا یہ اچھا دیکھنا اسے سزا سے بری کرتا ہے۔ یہ دو الگ الگ مضمون ہیں چونکہ باریک ہیں اس لئے میں آپ کو سمجھانا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ روزمرہ زندگی میں ان کا سمجھنا ضروری ہے۔

ہر چیز کو اچھا دیکھنا یہ نفس کے اندر جو دھوکہ دینے کی صفت ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔ ہم دکھاتے ہیں سے مراد یہ ہے کہ ہم نے نفس کو اس طرح تشکیل دیا ہے کہ ہر انسان اپنے نفس کے دھوکے میں مبتلا رہتا ہے ہمیشہ۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے اسے یہ طاقت بخشی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اندر کی خرابیوں کو دیکھے، جانچے، پہچان لے اور معلوم کر لے کہ وہ غلط ہے۔ یہ بصیرت والے مضمون کے وَّلَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ والے مضمون کے علاوہ یہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی ثابت شدہ مضمون ہے۔ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ انسان جو بھی فیصلہ کرتا ہے اس کے اندر خدا تعالیٰ نے طاقت رکھی ہے کہ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر سکے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ (الرحمان: 4،5) بیان کا معنی بعض لوگ صرف اظہار بیان کی طاقت سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ بیان کا تعلق بینہ سے ہے اور بینہ ان صداقتوں کو کہا جاتا ہے جو لازمی اور حقیقی اور دائمی ہیں۔ وہ صداقتیں جو انسان کی ضمیر پر کندہ ہیں۔ ہر انسانی فطرت ان صداقتوں کے خمیر سے اٹھائی گئی ہے اور ان کو پہچاننا اور ان کے مقابل پر بدی سے ان کی تمیز کرنا یہ بیان ہے یعنی کھرے کھوٹے کی تمیز کی طاقت، صحیح کو غلط سے جدا کرنا۔ پس بیان اگر اندر ہو تو پھر وہ بیان بن سکتا ہے۔ باہر کوئی انسان بھی جو اپنے مضمون پر پورا عبور نہ رکھتا ہو اسے پتا نہ ہو کہ غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔ اس مضمون پر بات نہیں کر سکتا۔ پرچہ دینے والا طالب علم پرچہ بھی نہیں دے سکتا کیونکہ بیان کا ایک اندرونی تعلق ہے اور ایک بیرونی تعلق ہے۔ جس شخص کو اندرونی طور پر اپنی کیفیات کا قطعیت سے علم ہو، جس مضمون کو بیان کرنا چاہتا ہے اس کے سب پہلوؤں پر حاوی ہو وہ جب بیان کرے گا تو کھل کر بیان کرے گا۔ جب یہ علم نہ ہو تو پھر اس کو مضمون بیان کرتے وقت الجھن محسوس ہوتی ہے۔ وہ کبھی ادھر بھٹکتا ہے کبھی ادھر بھٹکتا ہے۔ الفاظ کی تلاش کرتا ہے وہ صحیح ملتے نہیں۔ غرضیکہ اس کا سارا بیان ہی الجھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تب ہی غصے کی حالت میں بیان کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور

قرآن کریم سے صاف پتا چلتا ہے کہ غصے کی حالت میں جب غلبہ ہو کسی وقت کسی جنون کا اس وقت انسان بیان کرنے کی طاقت سے محروم ہو جاتا ہے۔ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ (الزخرف:19) اور غصے کا مضمون خصام کے لفظ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا جب یہ عورتیں جھگڑا کرتی ہیں تو کھل کر بات نہیں کر سکتیں یا انسان جو بھی ہوں سب پر یہ برابر مضمون آتا ہے کہ جب وہ جھگڑنے کے موڈ میں ہوں تو چونکہ غصے کی حالت میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے اس لئے وہ بیان کی طاقت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ تو بیان کو صرف ظاہری کلام پر محمول کرنا غلط ہے۔ بیان اس اندرونی طاقت کا نام ہے جو کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرتی ہے اور اگر یہ طاقت ہے تو ہر انسان کو قطعیت سے معلوم ہو جانا چاہئے کہ میرا مسلک درست ہے کہ غلط ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو نفس کا بہانہ ہے اور نفس کا بہانہ ہے جو چیز کو خوب صورت دکھاتا ہے اور نفس کے بہانوں کے باوجود انسان اپنی غلطی کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ ہے تمام مضمون جو ان آیات کے باہمی تعاون سے ابھرتا ہے۔ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ کے مضمون کو آپ دیکھ لیں اور پھر یہ دیکھیں کہ باوجود اس کے کہ نفس بہانے بناتا ہے پھر بھی انسان پہچان سکتا ہے تو اس کے بعد زَيَّنَّا کا معنی پھر ایسا کرنا جو اس آیت سے متصادم ہو جائز ہی نہیں ہے۔ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان ایک غفلت کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے، کھوئی کھوئی حالت میں رہتا ہے، جو کچھ کرتا ہے اسے اچھا دکھانے میں یہ بات بھی شامل کر دی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اچھا دیکھے اور اچھا دکھائے۔ اس وجہ سے وہ بسا اوقات صداقتوں پہ بھی پردے ڈال لیتا ہے لیکن چاہے تو اپنے نفس کو معلوم کر سکتا ہے اور وہ لوگ جو صداقت پر ہیں یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ یہ اعلان کرتے ہیں کہ یقیناً ہم کھلی کھلی واضح روشن صداقت پر قائم ہیں۔ فیصلہ تو مرنے کے بعد ہوگا لیکن یقین اس دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ دوسرا جب کہتا ہے مجھے بھی اسی طرح یقین ہے پھر بحث اٹھتی ہے کہ کس کو کیا اختیار ہے۔

اب یہ مضمون اس منزل میں داخل ہو جاتا ہے جہاں دو دعوے دار آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا تم کہتے ہو ہم بصیرت پر ہیں، ہم بھی یقین سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم بصیرت پر ہیں۔ تم کہتے ہو تمہیں کامل یقین ہے تم سچے ہو، ہم بھی کہتے ہیں ہمیں کامل یقین ہے کہ ہم سچے ہیں۔ اب وہاں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انسانی ضمیر کی آزادی کے ساتھ جو خدا نے انصاف فرمایا ہے

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو جھوٹا قرار دے کر سزا دینے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ تو جو مضمون ہے ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ اس میں یہ وضاحت فرمائی گئی ہے کہ اس دنیا میں جھوٹے تو ہیں بہر حال، یہ تو نہیں کہ سارے سچے ہیں۔ ہر ایک کو یہ بھی حق ہے کہ کہہ لے کہ ہم سچے ہیں۔ ہر ایک اپنی بات کو اچھا دیکھ بھی لیتا ہے اگر کچھ منفی اور غفلت کی آنکھوں سے دیکھے لیکن اس میں یہ طاقت ضرور موجود ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے نفس کو ٹٹولے اور صداقت معلوم کر لے۔ اگر یہ طاقت نہ ہوتی تو قیامت کے دن اس کو سزا دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اب یہی آیت جو زَيَّنَّا والی آیت ہے جب یہ کہتی ہے کہ جب ہمارے سامنے پیش ہو گے تو ہم پھر برے اعمال کے مطابق اس کو سزا دیں گے تم نہیں دے سکتے یعنی اے انسان ہم کریں گے یہ کام۔ تو صاف ثابت ہوا کہ سزا کا جواز موجود ہے اور وہ جواز اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہر انسان اپنے ضمیر کی آواز کو سنتا ہو یا ایک لمبے عرصے تک سنتے سنتے جب اس کو نظر انداز کر دے تو بہرا ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنے خلاف یہ ثابت کر چکا ہو کہ میں جھوٹا ہوں اور صحیح آوازیں مجھے ملی تھیں اور میں نے ان کو رد کر دیا تھا۔ یہ وہ حتمی فیصلہ ہے جو اس دنیا میں ہر انسان کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے۔ پھر جو حالتیں ہیں وہ دھوکے کی حالتیں ہیں، وہ بے ایمانی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں، دہریت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں، نفس کے غلبے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں لیکن جب یہ پیدا ہو جائیں تو پھر خدا کیا حق دیتا ہے یہ سوال ہے جو اٹھایا جا رہا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ہر بندے سے یہ حق لے لیتا ہے کہ دنیا میں خدا نے اور معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ کہتا ہے تم وہیں کھڑے ہو جاؤ جہاں دوسرا کہتا ہے میں بھی سچا ہوں۔ تم اپنی طرف سے دلائل دے بیٹھے اس نے انکار کر دیا اور کہہ دیا نہیں میں کامل یقین سے کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں۔ پھر معاملہ حوالہ بخدا کرو پھر تمہیں اختیار نہیں ہے کہ قانونِ خداوندی کو اپنے ہاتھ میں لو اور اس کی سزا کا، دنیا میں سزا کا فیصلہ کرو۔

یہ بات کہ دنیا میں سزا کا فیصلہ کرنا انسان کو خدا تعالیٰ نے اختیار دیا ہی نہیں یہ بات اس مضمون کو مزید کھول دیتی ہے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے اور اسی آیت میں وہ دلیل موجود ہے جس سے آپ ثابت کر سکیں کہ آپ سچے ہیں اور فلاں جھوٹا ہے کیونکہ جب اختلاف پیدا ہوں اور خدا کے اس فیصلے کے خلاف کوئی فریق یہ اعلان کرے کہ چونکہ میں تمہیں جھوٹا دیکھتا ہوں اس لئے میرا

حق ہے کہ تمہاری گردن ماروں۔ میں تمہیں جھوٹا سمجھتا ہوں اس لئے میرا حق ہے کہ تمہیں سزائیں دوں، تمہیں تمہارے بنیادی حقوق سے محروم کروں تو وہیں اس کا جھوٹا ہونا اس دنیا میں ثابت ہو گیا کیونکہ قرآن کریم کے اس بیان سے وہ متصادم ہو گیا۔ اللہ فرماتا ہے کہ میرا حق ہے کہ میں فیصلہ کروں اور جب تم میری طرف لوٹائے جاؤ گے تب میں فیصلہ سناؤں گا۔ ایک مولوی کہتا ہے کہ میرا حق ہے کہ میں فیصلہ کروں اور میں اتنا سچا ہوں کہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور میں پوری استطاعت رکھتا ہوں کہ اس کے دل کے حالات بھی پڑھ لوں اور فیصلہ کر دوں کہ یہ جھوٹا ہے اور میں سچا اور اتنا سچا ہوں کہ مجھے مالکیت کے اختیار بھی مل گئے ہیں۔ اتنا سچا ہوں کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں اس انتظار کی کہ مریں گے تو خدا فیصلہ کرے گا۔ زندگی میں میں فیصلہ کر سکتا ہوں مجھے طاقت ہے میں مار سکتا ہوں میں کیوں نہ ماروں۔ جوں ہی وہ یہ موقف اختیار کرتا ہے اس آیت کی رو سے وہ جھوٹا ثابت ہو گیا۔ پس یہ آیات جو ہیں وہ اپنے اندر استدلال رکھتی ہیں اور یہ غلط ہے کہ کوئی کہہ دے کہ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ ہو ہی نہیں سکتا۔ جوں ہی آپ کے سامنے کوئی یہ مؤقف اختیار کرتا ہے کہ نہ صرف میں سچا ہوں بلکہ تمہیں جھوٹا ہونے کی سزا دینے کا بھی اختیار رکھتا ہوں وہیں وہ جھوٹا ثابت ہو گیا اور جھوٹا بھی اور جھوٹا خدا بھی۔ نہ اس کا دین رہا نہ اس کی دنیا رہی ہر حالت سے وہ ذلّت اور تباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

اور عَلٰی بَصِیْرَۃٍ کا دعویٰ یہاں سے شروع ہوتا ہے وہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور سب دنیا دیکھ لیتی ہے کہ یہ آدمی سچا ہے کیونکہ اپنے انسانی دائرے سے آگے نہیں بڑھتا۔ اپنے اختیارات کے دائرے میں رہتا ہے، خدا کے اختیارات پر قبضہ نہیں کرتا۔ پس دنیا بھی دیکھ سکتی ہے کہ وہی سچا ہے لیکن مذہبی جھگڑوں کو نپٹانے کے لئے فسادات سے انسان کو بچانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے یہ عدل کا قانون جاری فرما دیا کہ تم میں سے ہر ایک خواہ اپنے آپ کو سچا سمجھے بھی، یقین کا بھی اظہار کرے اسے اپنے یقین کے نتیجہ میں دوسرے کو اس دنیا میں گمراہی کی سزا دینے کی اجازت نہیں ہے۔ سب گمراہ خدا کی خدمت میں لوٹائے جائیں گے اور یہ فیصلے مرنے کے بعد ہوں گے کہ کون حقیقت میں سچا تھا، کون حقیقت میں جھوٹا تھا اور کس کے ساتھ خدا کو کیا سلوک کرنا ہے۔

اس وضاحت کے بعد اب میں آپ کو سمجھاتا ہوں آپ کا حق ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ

رَبِّكَ (النحل:126) پر عمل کریں کیونکہ آپ نے جب یقین کے ساتھ سمجھ لیا کہ آپ سچ پر قائم ہیں تو پھر خدا تعالیٰ کی راہ کی طرف بلانا آپ کا حق ہے اور اس وہم کی ضرورت نہیں کہ چونکہ مرنے کے بعد فیصلے ہونے ہیں اس لئے میں کیوں خواہ مخواہ اس دنیا میں مصیبت مول لے بیٹھوں۔ پس فیصلہ ہی اللہ نے کرنا ہے تو ہوسکتا ہے میں جھوٹا ہوں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں کا مضمون سچے مومن کی ذات سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ اس کے نفس نے، کبھی کوئی بہانہ تراشا نہیں ہے۔ وہ نفس کے تقویٰ پر قائم ہوتا ہے اور اپنے نفس کو بھی پہچانتا ہے اس کے حالات پر نظر رکھتا ہے اور وہ بصیرت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے وہ دوسرے کے نفوس کو بھی پہچاننے لگتا ہے۔ اگر وہ تعدی نہیں کرتا اور تعلّی نہیں کرتا تو خدا کے ڈر سے ایسا نہیں کرتا ورنہ بالکل صاف دیکھ رہا ہوتا ہے کہ حقیقت حال کیا ہے اور اس کی ساری زندگی اس کی سچائی کی گواہ بن جاتی ہے۔ پھر خدا کی تائیدات ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کو یہ حکم فرمایا گیا کہ اعلان کر دو کہ میں اور میرے ماننے والے بصیرت پر قائم ہیں وہاں یہ مضمون ساتھ شامل ہے کہ اللہ کی تائید ہمارے ساتھ ہے اور وہ گواہ ہے کہ ہم بصیرت پر قائم ہیں۔ پس اگر دنیا میں یہ گواہیاں خدا نہ دیتا تو قیامت کے دن ان لوگوں کو مجرم کیسے قرار دے دیتا۔ اگر یہ مضمون سمجھا جائے کہ ہر ایک دھوکے میں مبتلا ہے پتا ہی نہیں لگ سکتا کسی کو میں سچا ہوں کہ جھوٹا ہوں، مرنے کے بعد پتا چل جائے گا تو جزاء سزا کا نظام ہی سارا درہم برہم ہو جائے گا اور اگر پھر بھی خدا سزا دے گا تو عدل کے تقاضوں کو چھوڑ کر سزا دے گا جو ناممکن ہے۔ پس ہر شخص کو پتا ہے وہ اپنی حقیقت سے، اپنی کمزوری سے آگاہ ہوتا ہے، اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے اور اس کا اپنے آپ دھوکہ دینا چونکہ انا کی فطرت میں داخل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اسے اچھا بنا کے دکھایا ہے۔ وہ یہی سمجھتا رہتا ہے کہ میں اچھا ہوں لیکن تلاش کرنا چاہے اپنے ضمیر کو کریدے تو اس کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

پس آپ کامل یقین پر ہیں، آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بے شمار تائیدات ہیں جو بڑے زور اور طاقت کے ساتھ ایک سو سال سے زائد عرصے پر پھیلی پڑی ہیں۔ ایک لمحہ بھی احمدیت کا ایسا نہیں جب خدا کی غیبی تائیدات نے آپ پر آپ کا سچا ہونا ثابت نہ کر دیا ہو اور محض نفس کے خیال کا جو پہلو ہے وہ اس کے مقابل پر ایک معمولی پہلو رہ جاتا ہے۔ جس کی پوری تاریخ اللہ کی تائیدات سے بھری ہوئی ہو اور روشن ہو چکی ہو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی شک کے اندھیروں میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ پس آپ

نے کامل یقین کے ساتھ دنیا کو ہدایت کی طرف بلانا ہے اور کامل یقین کے بغیر ہدایت کی طرف بلانا بے کار ہو جایا کرتا ہے۔ کامل یقین کے بغیر بلانے والا وہ طاقتیں ہی حاصل نہیں کرتا جو بلانے کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص مذاق سے کہہ دیتا ہے یعنی بعض لوگوں میں رواج ہے وہ سمجھتے ہیں مذاق میں جھوٹ بولنا جائز ہے کہ آگ لگ گئی گھر میں۔ لوگ سمجھتے ہیں شاید یہ کہہ رہا ہے تو لگ گئی ہوگی لیکن ایک دو دفعہ کے جھوٹ سے پتا چل جاتا ہے کہ اس آواز میں وہ بات ہی نہیں تھی لیکن جب سچ مچ کی آگ لگے اس وقت جو آواز نکلتی ہے وہ بالکل اور طرح کی آواز ہوتی ہے۔ ڈرانے کے لئے تمہارے پیچھے سانپ ہے ایک آواز اٹھ سکتی ہے، وقتی طور پر ایک انسان اس سے مرعوب بھی ہو جاتا ہے۔ مگر جو سچ مچ کا سانپ ہے وہ نکلے تو وہ خود بھی ایسا اچھلتا ہے اور اس کی آواز میں ایسی طاقت آجاتی ہے کہ ہر پہچاننے والا پہچان لیتا ہے کہ یہ سچی آواز ہے اور یہ بیان کی ایک مثال ہے۔ انسانی فطرت میں خدا تعالیٰ نے بیان کرنے کی صلاحیت رکھی ہوئی ہے اور اسی وجہ سے دھوکے کی آوازیں اگر وقتی طور پر مرعوب کریں تو لمبا عرصہ نہیں کرتیں۔ جو سچ کی آواز ہے وہ اس طاقت کے ساتھ اٹھتی ہے کہ اس کے نتیجہ میں دوسرے کے لئے پہچاننا مشکل نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ ایک اور مضمون ہے جو اس کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے جو ہر داعی الی اللہ کو سمجھنا چاہئے اور اس کا تعلق آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا تمہاری اور میری مثال تو ایسی ہے جیسے تم آگ کے گڑھے کی طرف تیزی سے دوڑے چلے جا رہے ہو میں تمہارے پیچھے آوازیں دیتا بھاگ رہا ہوں خبردار و کورو کو اپنے قدم کیونکہ تم آگ کے گڑھے میں گرنے والے ہو اور تم میری کچھ نہ سن رہے ہو یہاں تک کہ میں تمہاری کمر پہ ہاتھ ڈالوں، تمہارے کندھوں سے پکڑوں، تمہارے بدن کو گھسیٹنے کی کوشش کروں کہ کسی طرح باز آجاؤ اور آگ کے گڑھے میں نہ گرو یہ کیفیت کامل یقین کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ (بخاری کتاب الرقاق باب الانتهاء عن المعاصی)

انبیاءؑ جو وارفتگی کے ساتھ ایک جنون کی کیفیت کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں وہ اس کامل یقین کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے کہ ہم سچے ہیں اور ہمارا منکر لازماً ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گا۔ اب دعوت الی اللہ کرنے والا اگر اس یقین سے دعوت الی اللہ نہیں کرتا تو اس کی آواز میں طاقت ہی نہیں پیدا ہوگی۔ وہ گھبراہٹ اور بے چینی کہ یہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں اور میں نے لازماً ان کو بچانا ہے یہ

ایک غیر معمولی قوت ہے جو یقین سے اٹھتی ہے اور صاحب فہم لوگ اس کو پہچانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس آواز میں سچائی ہے۔ اگر وہ نہ بھی مانیں تو اپنی دوسری مجبوریوں کی وجہ سے اس کو ردّ کرتے ہیں لیکن آواز کی شوکت ان کو ضرور بتا دیتی ہے کہ بلانے والا کچھ مختلف ہے۔

چنانچہ بعض بیعت کرنے والوں نے مجھے یہی بات بتائی کہ ہم نے ایک احمدی کی بات پر جو کان دھرا ہے وہ اس وجہ سے کہ اس کی آواز میں وہ غیر معمولی صداقت کا نشان تھا کہ جب ہمیں بلاتا تھا تو اس کے اندر ایک بے چینی پائی جاتی تھی کہ اگر ہم نہیں جائیں گے تو نقصان ہوگا۔ اس لئے ہم مسلک کو سمجھ کر احمدی نہیں ہوئے۔ مسلک کو بعد میں سمجھا ہے۔ پہلے جو احمدیت کی طرف ہمیں کسی چیز نے مائل کیا ہے وہ بلانے والے کی آواز کی سچائی اس کی شوکت تھی اور ایسا ایک دفعہ نہیں بارہا میرے علم میں آچکا ہے کہ کامیاب داعی الی اللہ وہی ہے جس کی آواز یقین سے بھری ہوئی ہو اور وہ یقین اسے بے چین رکھے اور آخری وقت تک بے چین رکھے۔

اس کی ایک مثال ہمارے ایک ایسے سلسلے کے خادم مربی کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جو دو دن پہلے سپین میں وفات پا گئے ہیں۔ ان کی نماز جنازہ بھی بعد میں پڑھاؤں گا لیکن میں آپ کو ان کے ذکر خیر میں اس مضمون کو واضح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ان کی زندگی اور یہ مضمون ایک دوسرے میں مدغم ہو چکے تھے۔ دعوت الی اللہ کا ان کو ایسا جنون تھا کہ کبھی میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں آیا جو اس طرح دعوت الی اللہ کے جنون میں مبتلا ہو چکا ہو۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، آتے جاتے، سیر پر جائیں، کہیں تفریح ہو رہی ہو انہوں نے اپنے بعض دفعہ جیبوں سے، بعض دفعہ بیگ سے پمفلٹ ضرور نکالنے ہیں۔ ادھر ہم ایک جگہ ہوٹل میں کھانا کھا رہے ہیں اور اچانک اٹھے اور سارے پمفلٹ تقسیم کرنے شروع کر دئے۔ بیرا آیا تو اس کو کہا کہ ٹھہرو یہ لے لو اور یہ پڑھو۔ بعض دفعہ تعجب ہوتا ہے اور کچھ وقتی طور پر Embarrasment جس کو کہتے ہیں وہ بھی محسوس ہوتی تھی کیونکہ دعوت الی اللہ کا جنون تو ہے اور بہت اچھا ہے مگر حکمت کے بھی تقاضے ہیں۔ قرآن کریم نے دعوت الی اللہ سے پہلے حکمت کا مضمون باندھا ہے۔ ایک موقع پر میں نے ان کو سمجھایا کہ آپ کی یہ بات بہت ہی پیاری ہے کیونکہ میں آپ کو جانتا ہوں سچائی ہے، آپ کے دل میں جنون ہے لیکن آپ نے حکمت کے تقاضے چھوڑے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہمارا کھانا بھی خراب کیا اور ارد گرد مہمانوں کے

کھانے بھی خراب کئے۔ کئی خاندان ہیں جو سیر کی خاطر بڑی دور سے خرچ کر کے آئے ہیں وہاں آپ زبردستی ان کو مذہب کی طرف لا رہے ہیں ان کا بالکل دل نہیں چاہ رہا، ان کے چہرے بتا رہے تھے کہ وہ گھبرا رہے ہیں صرف شرافت کی وجہ سے آپ کو کچھ نہیں کہتے۔ بیرا بے چارہ گھبرا گیا۔ یہ کیا ہو گیا میں نے تو کھانے کی پلیٹ رکھی ہے تو اس نے آگے سے ایک پمفلٹ پکڑا دیا ہے۔ تو حکمت کے لحاظ سے آپ بے شک یہ کہہ سکتے ہیں کہ بسا اوقات وہ اپنے جنون کی وجہ سے حکمت کے تقاضے بھی بھول جاتے تھے اور مجھے ان کو سمجھانا پڑا اور اس وجہ سے چونکہ میں ان کے ساتھ سفر کر چکا تھا، میں دیکھ چکا تھا، مجھے یہ بھی پتا چل گیا کہ اتنا بے شمار پمفلٹ کا خرچ کیوں ہو رہا ہے کیونکہ سپین میں اتنے احمدی نہیں تھے جتنے پمفلٹ چل رہے تھے۔ تو ان کا یہ شغل تھا زندگی میں۔ بازار میں چلتے پھرتے ہر جگہ وہ پمفلٹس کے بیگ انہوں نے اٹھائے ہوتے تھے وہ خالی کر کے واپس آیا کرتے تھے۔ تو میں نے پھر ان کو سمجھایا میں نے کہا دیکھیں خرچ سے کوئی عار نہیں ہے، خرچ پر مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر برمحل تو ہونا چاہئے کیونکہ مجھے یہ اطلاع ملی کہ وہ ادھر پمفلٹ دے کے گئے ادھر لوگوں نے پھینک دئے اور بعض دفعہ پھر وہ قدموں تلے روندا بھی جاتا تھا۔ تو جب میں نے ان کو پیار سے یہ باتیں سمجھائیں تو سمجھ گئے اور اس کے بعد پھر انہوں نے اپنے طرز تبلیغ میں کچھ تبدیلی کی جو مناسب حال تھی لیکن تبلیغ آخری دموں تک کرنے کا ایسا جنون تھا کہ وفات سے چند منٹ پہلے چوٹی کا ڈاکٹر ان کو دیکھنے آیا کہ کیا حالت ہے اور اسی حالت میں منہ میں آکسیجن لگی ہوئی ہے یا ہٹا کر یا کچھ زور لگا کر اپنی بیوی کو کہا فوراً اسلامی اصول کی فلاسفی اس سرجن کو دے دو۔ ان کی بیگم سے جب میں نے تعزیت کا فون کیا تو انہوں نے کہا سرجن مجھے کہتا تھا یہ کیا شخص ہے۔ زندگی آخری دموں تک جا پہنچی ہے، جان لبوں پر آ گئی ہے اور میں اس کی طبیعت پوچھنے آ رہا ہوں یہ مجھے کہتا ہے فلاں کتاب پڑھو اور ہر ایک سے یہی حال تھا۔ سارے اردگرد کے مریض اس وقت ان کی تبلیغ کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور بہت نرم دل سے لوگوں سے ملتے تھے، اپنے خاندان کے جو افراد ملنے آتے تھے صرف ایک دفعہ غصہ آیا وہ اس بات پر کہ انہوں نے کہا تھا کہ فلاں لٹریچر دو لٹریچر تھا نہیں، کہا کہ میری عیادت کرنے کیا تم آئے ہو۔ اگر لٹریچر ہی نہیں لے کے آتے تو اس عیادت کا کیا فائدہ۔ ان کی ایک بیٹی امریکہ ہے اس نے فون کیا اور یہ آخری دموں کی بات ہے کچھ یعنی آخری چند دنوں کے اندر اس کو خیال تھا کہ پتا نہیں ابا ابھی زندہ بھی

ہیں کہ نہیں۔ گھبراہٹ میں اس نے فون کیا تو فون پہ کہا ہاں ہاں میں نے پہچان لیا ہے۔ یہ بتاؤ تبلیغ کرتی ہو کہ نہیں۔ وہ حیران کہ اچھا مریض ہے، میں پوچھ رہی ہوں حالت کیا ہے ابا کی اور پھر کہا دیکھو فرض کرلو اپنے اوپر ایک احمدی ضرور بنانا ہے۔ یہ وعدے لیتے لیتے اس دنیا سے رخصت ہوئے تو دعوت الی اللہ کا جو ایسا جنون کہ ساری زندگی پہ قبضہ کرلے یہ خدا کا خاص انعام تھا جو ان پر تھا۔ مسلسل پچاس سال انہوں نے سپین میں دعوت الی اللہ کا کام کیا ہے اور شوق ایسا تھا کہ جب ایک زمانے میں جماعت کی غربت کی وجہ سے 1947ء کی بات ہے یہ چھیالیس میں وہاں گئے ہیں اور ایک سال کے اندر اندر جو مبلغ باہر بھجوائے گئے تھے جماعت کے پاس پیسے نہیں تھے کہ ان کو ان کے روزمرہ کی زندگی کے اخراجات دے سکے، بڑی تنخواہوں کی تو بحث ہی نہیں ہوا کرتی تھی۔ یہ بات چلتی تھی کہ روزمرّہ زندہ رہنے کے لئے جو کم از کم ضرورتیں ہیں وہ جماعت پوری کرسکتی ہے کہ نہیں۔ آخر حضرت مصلح موعودؓ نے بادل نخواستہ یہ فیصلہ کیا کہ بہت سے مبلغوں کو واپس بلا لیا جائے یا ان کو کہہ دیا جائے کہ اب ہم تمہیں کچھ نہیں سپورٹ کرسکتے اس لئے فارغ ہو۔ تو جب ان کو یہ پیغام ملا تو انہوں نے فوری طور پر رابطہ کیا اور کہا کہ میں تو کسی قیمت پر فارغ نہیں ہوسکتا۔ گزارے کی بات ہے میں اپنا گزارہ خود کروں گا اور حضرت مصلح موعودؓ اتنا متاثر ہوئے اس سے کہ بعد میں ایک خطبہ کے دوران فرمایا کہ دیکھو ہمارا ایسا بھی مبلغ ہے اس نے کہا میری پرواہ نہ کریں میں اپنا گزارہ کروں گا بیوی بچوں کا کروں گا لیکن تبلیغ نہیں میں نے چھوڑنی، خدا کے لئے مجھے فارغ نہ کریں۔ جب ایک موقع پر میں نے فیصلہ کیا کہ اب ان کو (بہت بیمار بھی ہوگئے تھے) ریٹائر کردیا جائے تو ان کا بڑا دردناک خط ملا کہ ریٹائر نہ کریں جس طرح بھی ہے میں گزارہ کروں گا مجھے اسی حالت میں رہنے دیں۔

چنانچہ پچاس سال مسلسل، ستائیس سال کی عمر میں سپین گئے تھے، وہاں رہے اور اس عرصے میں ایک بڑا عرصہ وہ تھا جب جماعت سے ایک پیسہ بھی نہیں ملا، عطر بیچتے تھے خود ہی عطر بنانے سیکھے اور پولیس آتی تھی، حملے کرتی تھی، پکڑتی تھی، پھر چھوڑ بھی دیا کرتی تھی۔ یہ مسئلہ نہیں سمجھ آرہا تھا کہ پولیس نے قید کیوں نہیں کیا اور چھوڑ کیوں جایا کرتی تھی۔ یہ مسئلہ اس طرح حل ہوا کہ ایک بڑے سینئر پولیس افسر نے ان کے بیٹے سے بعد میں بیان کیا کہ ہم اسے اس لئے چھوڑ دیتے تھے کہ ہمیں خطرہ تھا کہ جیل میں سب کو احمدی بنالے گا۔ اس لئے کوئی احسان نہیں تھا، مجبوری تھی۔ ڈرانے دھمکانے کے

لئے پکڑا، قید خانے میں ڈالا اور دوسرے دروازے سے باہر نکال دیا کیونکہ جاتے ہی تبلیغ شروع کر دیتے تھے۔ تو اس حالت میں انہوں نے زندگی بسر کی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے ساتھ اور مجھے بھی موقع ملا ہے ان کو تبلیغ کرتے ہوئے دیکھنے کا۔ عطر چھڑکنا اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کو اس طرف بلانا کہ ایک ایسا عطر ہے جس کی خوشبو کبھی ختم نہیں ہوگی اور اس عطر کے سوا جو میں نے تم پر چھڑکا ہے وہ بھی ایک عطر ہے اگر کہو تو میں تمہیں بتاؤں۔ تو جو تجسس کا ہر انسان کے اندر مادہ ہے لوگ پوچھتے تھے ہاں ہاں بتاؤ تو اسی وقت وہ تبلیغ شروع کر دیتے تھے تا کہ یہ ثابت کر سکیں میں نے نہیں کی تھی انہوں نے پوچھا تو میں نے تبلیغ شروع کی۔ بہر حال بہت لمبا عرصہ تک بہت شاندار، عظیم الشان خدمت کی توفیق پائی۔ کامل وفا کا نمونہ تھے، کامل اطاعت کا نمونہ تھے۔ کبھی اطاعت سے سرمو بھی فرق نہیں کیا اور اپنی اولاد کی بہت اچھی تربیت کی۔ ساری اولاد خدا کے فضل سے خدمت دین پر مامور رہی ہے۔ جس حالت میں بھی ہے لیکن وہ اطاعت شعار ہے اور دین سے محبت کرنے والی ہے۔ تو ان کی نماز جنازہ ہوگی اور میں امید رکھتا ہوں دنیا بھر میں احمدی اس نماز جنازہ میں تو شامل نہیں ہو سکتے لیکن دعا میں شامل ہوں اور اپنے اپنے ہاں ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت عطا فرمائے کیونکہ واقعی عجب آزاد مرد تھا۔ دنیا کے دھندوں سے آزاد اور خدمت دین پر جتا ہوا۔

اب میں واپس اسی مضمون کی طرف آتا ہوں۔ یہ بھی واپس کیا، یہی مضمون ہے جو جاری ہے یہ مثال دی ہے دعوت الی اللہ کی۔ اس رنگ میں آج آپ کو دعوت الی اللہ پہ وقف ہو جانا چاہئے اور تعاون کے رنگ میں ایسا کریں، تحکم کے رنگ میں نہ کریں۔ کامل یقین کے باوجود اس انکسار پر قائم رہیں جو قرآن کریم کی آیات ہمیں سکھاتی ہیں کہ کامل یقین کے باوجود تحکم کا رنگ اختیار نہ کرو اور حکمت کے ساتھ پیغام کو پہنچاؤ اور عجز کے ساتھ اصولوں پر قائم رہو کہ فیصلہ خدا کرے گا لیکن پیغام دینا ہمارا کام ہے اور پیغام دو تو دل کا اضطراب لوگوں کو دکھائی دینے لگے۔ وہ اضطراب جس کا ذکر آنحضرت ﷺ نے اپنی تبلیغ میں آپ کے سامنے پیش فرمایا ہے یعنی میں کیسا تبلیغ کا جذبہ رکھتا ہوں وہ اضطراب کامل یقین کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا۔ وہ اضطراب نصیب ہو جائے تو پھر آواز میں ایک غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

آج جبکہ احمدیت تبلیغ کے ایک بالکل نئے دور میں داخل ہو گئی ہے جس کا وہم و گمان بھی کوئی نہیں

کرسکتا تھا۔اس وقت ابھی بہت سے احمدی افراد ایسے ہیں جو ابھی تبلیغ میں داخل نہیں ہوئے۔اس لئے جب آپ دیکھتے ہیں کہ سولہ لاکھ ہوگئے تو یہ نہ سمجھیں کہ سارے احمدیوں کی اجتماعی کوشش سے جو خدا نے قبول فرمائی سولہ لاکھ ہوئے۔ یہ بعض علاقوں کے بعض احمدیوں کی کوشش سے ہوئے ہیں۔جرمنی میں اگر تیس ہزار ہوئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ساری جرمن جماعت ہی مشغول ہے۔ان کا ایک حصہ فعال ہے اور ایک حصہ دوسروں کی مدد بھی کرتا ہوگا، بیویاں خاوندوں کی مدد کرتی ہیں، بچے بھی ماں باپ سے تعاون کرتے ہیں مگر ابھی ایک تعداد ہے اور میرے نزدیک خاصی تعداد ہے جو براہ راست تبلیغ میں ملوث نہیں ہوئی۔انگلستان کی حالت آپ کے سامنے ہے۔ یہاں پہلے کی نسبت بہتری ہے مگر ابھی بھاری تعداد U.K کے احمدیوں کی ایسی ہے جو براہ راست تبلیغ کا سلیقہ ہی نہیں جانتی پتا ہی نہیں کہ ہوتی کیا ہے اور وہ چند جو مستعد ہیں ان کا پھل ساری جماعت اپنی طرف منسوب کر رہی ہے کہ جماعت U.K نے ایک سو ستر کی بجائے اس سال دوسو ستر احمدی بنائے اللہ کے فضل کے ساتھ، مگر دوسو ستر کتنوں نے بنائے؟ چھ ہزار میں سے چھ ہزار نے بنائے یا چالیس پچاس نے یا بیس پچیس نے بنائے۔تو جو بنائے ہیں وہ بیس پچیس کے دائرے میں ہی ہیں باقی تو صرف کریڈٹ لینے کے لئے U.K جماعت کے ممبر بنے ہوئے ہیں۔اگر چہ کریڈٹ سے مراد یہ نہیں کہ بالارادہ وہ دھوکہ دے رہے ہیں **نعوذ باللّٰہ من ذالک**۔مراد یہ ہے کہ کریڈٹ ملتا ہے تو کیوں نہ لے لیں، ہاں ہم U.K کی جماعت کے ہیں اور ہماری تبلیغ پہلے سے بڑھ رہی ہے۔ چندوں میں حصہ لیتے ہیں، وقار عمل میں حصہ لیتے ہیں، دوسروں کی خدمتوں میں آگے ہیں مگر یہ پہلو ذرا لنگڑا ہے۔

پس آج وقت ہے کہ ساری جماعت پوری طاقت کے ساتھ اپنے غیر فعال ممبروں کو یا جماعت کے وہ وجود جو ابھی تک فعال نہیں ہو سکے ان کو ساتھ لے کر آگے بڑھیں اور نظام جماعت وقتاً فوقتاً نگرانی کرتا رہے، معلوم کرتا رہے کہ اس تبلیغ میں حصہ کتنوں نے لیا تھا اور جنہوں نے حصہ نہیں لیا ان کی طرف متوجہ ہو۔ یہ وہ طریق ہے جو میں نے چندوں کے نظام میں آزما کے دیکھا ہے اور غیر معمولی برکت پڑی ہے۔اس سے اور یہی طریق تبلیغ کے نظام میں بھی کارآمد ہوگا کیونکہ ایک ہی بات ہے۔نظام کا جہاں تک تعلق ہے اس کی نوعیت کا، اس کی فعالیت، اس کی مستعدی کا، وہ دونوں طرف ایک ہی طرح کے اصول کارفرما ہوتے ہیں۔اپنی تبلیغ کو منظم کرنا زیادہ سے زیادہ احمدیوں کو اس میں جھونک کر

ان کو فعال داعی الی اللہ بنانا اور پھر ان کو جو چندہ، یعنی ان کی بیعتیں ان کا چندہ ہے، اس کا حساب رکھنا یہ نظام جماعت کا کام ہے۔

اس پہلو سے بار بار سمجھانے کے باوجود ابھی مزید سمجھانے کی ضرورت ہے۔ میں نے چندے کے نظام کے متعلق یہ جماعتوں کو نصیحت کی کہ جو دے رہے ہیں ہر دفعہ انہی پر نہ توجہ دئے جائیں۔ جب تحریک ہو آپ انہی کے پاس پہنچتے ہیں جو پہلے دے رہے ہیں۔ جو نہیں دے رہے ان کا بھی تو کھاتہ بنائیں، کوئی رجسٹر تیار کریں کہ جو نہ دینے والوں کا رجسٹر ہو اور پھر دیکھیں کہ وہ کتنے ہیں ان کا تناسب کیا ہے اور ان میں سے آپ نے کتنوں کو نادہندہ رجسٹر سے دہندہ کے رجسٹر میں منتقل کیا ہے۔ جب عملاً بعض جماعتوں نے بڑے اخلاص کے ساتھ اور سنجیدگی کے ساتھ اس پر عمل کیا تو ان کے مالی نظام میں حیرت انگیز برکت پڑی ہے اور اس پہلو سے امریکہ کی جماعت کی مثال بھی خدا کے فضل سے بڑی نمایاں ہے۔ انہوں نے جب بھی میں نے ہدایت دی اسی طرح سنجیدگی کے ساتھ لفظاً لفظاً عمل کی کوشش کی اور دیکھتے دیکھتے ان کا مالی نظام کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے۔ اب میں ان کو یہ بھی سمجھا رہا ہوں کہ دعوت الی اللہ کا پروگرام بھی تو اسی طرح ایک اہم پروگرام ہے یعنی دونوں ایک دوسرے کے لئے دست و بازو ہیں اور دو بازوؤں کا جس طرح آپس میں تعلق بھی ہوتا ہے اور تعاون بھی ضروری ہے ویسا ہی آپ کا فرض ہے کہ دعوت الی اللہ کے کام کو بھی مالی نظام کے پہلو بہ پہلو کم سے کم اتنی سنجیدگی کے ساتھ لیں اور دونوں کو آگے بڑھائیں۔ اس کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے تبدیلیاں تو ہیں لیکن ابھی بہت ضرورت ہے۔

یہ جو مختلف نظاموں کا آپس کے تعاون کا مضمون ہے یہ ہر زندہ جماعت کے اندر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا نافذ فرما دیا گیا ہے کہ جماعت کی کثرت کے باوجود ایک جسم دکھائی دیتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے جب مومنوں کی جماعت کی تعریف ہی یہ فرمائی کہ خواہ کثرت سے ہوں دکھائی ایک جسم دیں اور جب تک ایک عضو دوسرے عضو سے تعاون نہ کرے جسم بن ہی نہیں سکتا۔ اگر آنکھ، آنکھ سے تعاون نہ کرے تو ایک ادھر دیکھ رہی ہوتی ہے ایک ادھر دیکھ رہی ہوتی ہے اور ٹیڑھی نظر ہو جاتی ہے۔ ٹانگ، ٹانگ سے تعاون نہ کرے تو ایک ٹانگ دائیں طرف اٹھ رہی ہے ایک بائیں طرف اٹھ رہی ہے اور آدمی لڑکھڑا کے گر جاتا ہے یا کھڑا ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس مضمون پر روشنی ڈالتے

ہوئے تعاون کی بعض لطیف مثالیں ہمارے سامنے رکھی ہیں۔آپؑ فرماتے ہیں:

۔۔۔یہ دستور ہونا چاہئے کہ کمزور بھائیوں کی مدد کی جاوے اور ان کو طاقت دی جاوے یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ دو بھائی ہیں ایک تیرنا جانتا ہے دوسرا نہیں۔تو کیا پہلے کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ دوسرے کو ڈوبنے سے بچاوے یا اس کو ڈوبنے دے۔اس کا فرض ہے کہ اس کو غرق ہونے سے بچائے۔اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (کہ نیکی اور تقویٰ کے معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کرو) کمزور بھائیوں کا بار اٹھاؤ۔عملی،ایمانی اور مالی کمزوریوں میں بھی شریک ہوجاؤ۔بدنی کمزوریوں کا بھی علاج کرو۔کوئی جماعت،جماعت نہیں ہوسکتی جب تک کمزوروں کو طاقت والے سہارا نہیں دیتے۔۔۔‘‘

تو جو دل کے غریب ہیں ان کو مالی قربانی میں آگے بڑھانا،ان کو سہارا دینا ہے۔جو تبلیغ میں کمزوری دکھاتے ہیں ان کو قدم قدم ساتھ چلاتے ہوئے ان کی رفتار بڑھانا اور ان کو طاقت دینا یہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تشریح کے عین مطابق تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ کی مثال ہے۔پھر آپ اس مضمون کا دوسرا پہلو بیان کرتے ہیں۔جو نہیں ہونا چاہئے۔

’’۔۔۔دیکھو وہ جماعت جماعت نہیں ہوسکتی جو ایک دوسرے کو کھائے۔۔۔‘‘

اگر مالی معاملات میں جماعت میں حرص پیدا ہو جائے بعض لوگوں میں اور وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو کھانے لگیں تو تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کا مضمون غائب ہو جائے گا اور نفرتیں پھیل جائیں گی،اعتماد اٹھ جائیں گے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کے تابع اس کے باریک پہلو بیان فرمائے ہیں جو جماعت کو سمجھنے چاہئیں کیونکہ جب تک ایک جماعت نہ بن جائے اس وقت تک تبلیغ کے میدان میں غیر معمولی کامیابیاں نصیب نہیں ہوسکتیں۔فرماتے ہیں:

’’۔۔۔جب چار مل کر بیٹھیں تو ایک اپنے غریب بھائی کا گلہ کریں

اور نکتہ چینیاں کرتے رہیں اور کمزوروں اور غریبوں کی حقارت کریں اور ان کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ایسا ہرگز نہیں چاہئے بلکہ اجماع میں چاہئے کہ قوت آجاوے اور وحدت پیدا ہو جاوے جس سے محبت آتی ہے اور برکات پیدا ہوتے ہیں۔۔۔ کیوں نہیں کیا جاتا کہ اخلاقی قوتوں کو وسیع کیا جاوے اور یہ تب ہوتا ہے کہ جب ہمدردی، محبت اور عفو اور کرم کو عام کیا جاوے اور تمام عادتوں پر رحم، ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدم کر لیا جاوے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت گرفتیں نہیں ہونی چاہئیں جو دل شکنی اور رنج کا موجب ہوتی ہیں" (ملفوظات جلد دوم صفحہ 264-263)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:

"منجملہ انسان کے طبعی امور کے جو اس کی طبیعت کے لازم حال ہیں ہمدردی خلق کا ایک جوش ہے، قومی حمایت کا ایک جوش بالطبع ہر ایک مذہب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی ہمدردی کے لئے دوسروں پر ظلم کر دیتے ہیں۔ گویا انہیں انسان نہیں سمجھتے تو اس حالت کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ یہ فقط ایک طبعی جوش ہے" (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 363)

تو جہاں تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ کی تلقین فرمائی، ایک دوسرے کو سہارا دینا اور کمزوروں کو اٹھا کر اپنی سطح پر لانے کی کوشش کرنا ایک دعوت الی اللہ کی روح کے طور پر ہمارے سامنے رکھا اور فرمایا کہ اسے اختیار کرو گے تو ایک جماعت بنو گے۔ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ایک جماعت کے بعض نقصانات بھی ہیں یعنی ایک جماعت بننے کے اگر اس میں عصبیت آجائے۔ اگر وحدت ملی کے نتیجہ میں دوسروں سے نفرت اور دوسروں پر برتری کے جذبات پیدا ہو جائیں تو یہ وحدت ملی توحید کی مظہر نہیں بلکہ شیطان کی مظہر بن جاتی ہے۔ دنیا میں اکثر مظالم وحدت ملی کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اگر قومی کردار بگڑا ہوا ہو، جتنا وہ اکٹھے ہوں گے اتنا ہی نقصان پہنچے گا۔

پس اس پہلو کو کھول رہے ہیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں سب اچھی باتیں ہیں ہمدردی خلق، جوش، اپنے بھائی کو برابر کر کے اپنے ساتھ شامل کر لینا مگر جو لوگ اس کے نتیجہ میں دوسری قوموں پر ظلم کرتے ہیں۔ گویا انہیں انسان نہیں سمجھتے سو اس حالت کو خلق نہیں کہہ

سکتے یہ فقط ایک طبعی جوش ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حالت طبعی کوّوں وغیرہ پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کوّے کے مرنے پر ہزار ہا کوے جمع ہو جاتے ہیں لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اس وقت داخل ہوگی جب یہ ہمدردی انصاف اور عدل کی رعایت سے محل اور موقع پر ہو۔ اس وقت ایک عظیم الشان خلق ہوگا جس کا نام عربی میں مؤاخات اور فارسی میں ہمدردی ہے۔ اسی کی طرف اللہ جل شانہ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

پس جب قوم کا ایک فرد کسی دوسری قوم پر ظلم کرتا ہے اور آپ قومی حمیت کی وجہ سے اس کی مدد کرتے ہیں اس کی رعایت کرتے ہیں، اس کے پہلو پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ آیت کے دوسرے حصے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ سے بغاوت ہوتی ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان ایک حسین اور کامل توازن پیدا کرنا ضروری ہے اور اندرونی عادتوں میں جو آپ کی نیکی کی عادتیں ہیں ان میں بھی ایک توازن پیدا کرنا ضروری ہے جیسا کہ مالی اخراجات کے وقت آپ کے دل کھل چکے ہیں خدا کے فضل کے ساتھ، وہاں وقت کے خرچ پر اگر نہیں کھلے تو یہ عدم تعاون کی ایک مثال ہے۔ آپ کی صلاحیتیں آپ کی دوسری صلاحیتوں سے پورا تعاون نہیں کر رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی مثال یوں دیتے ہیں:

> ''ہمارے ہاتھ اور پاؤں اور کان اور ناک اور آنکھ وغیرہ اعضاء اور ہماری سب اندرونی اور بیرونی طاقتیں ایسی طرز پر واقع ہیں کہ جب تک وہ باہم مل کر ایک دوسرے کی مدد نہ کریں تب تک افعال ہمارے وجود کے علی مجری الصحّت ہرگز جاری نہیں ہو سکتے اور انسانیّت کی کل ہی معطّل پڑی رہتی ہے جو کام دو ہاتھ کے ملنے سے ہونا چاہئے وہ محض ایک ہی ہاتھ سے انجام نہیں ہو سکتا''

(براہین احمدیہ حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 59)

پس صلاحیتوں کا آپس کا تعاون اور انسان کی اندرونی صفات کا ایک دوسرے سے تعاون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے جوارح کے تعاون کی مثال سے ہمارے سامنے کھول دیا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن ایک بدن کی طرح ہیں جیسے ایک بدن کے اعضاء

ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ اسی مضمون کے ایک اور پہلو کو ہمارے سامنے کھولتے ہیں کہ بایاں ہاتھ اور دایاں ہاتھ جب ضرورت ہوگی از خود تعاون کرتے ہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ بایاں ہاتھ کوئی کام میں مشغول ہو اس کو ضرورت ہو اور دایاں ہاتھ بے اختیار اس کی مدد کو نہ لپکے۔ یا دائیں ہاتھ میں کمزوری واقع ہو اور بایاں ہاتھ بے اختیار اس کی مدد کو نہ لپکے۔ بعض مریض میں نے دیکھے ہیں جن کا بدن کا ایک حصہ فالج میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ بایاں ہاتھ اگر مفلوج ہے تو دایاں ہاتھ ہر وقت اس ہاتھ کو اٹھائے پھرتا ہے یعنی اپنے بھائی کی خدمت پر مامور رہتا ہے۔ یہ وہ تعاون کی روح ہے جو اندرونی طور پر مضبوط ہو تو بیرونی طور پر بھی اپنے جلوے دکھائے گی۔ پھر تبلیغ میں صرف زبانی نصیحت اور ہمدردی نہیں رہے گی۔ اگر ہمدردی کی وجہ سے تبلیغ ہے جو تبلیغ کا اصل ہے تو جب ایسا شخص ضرورت محسوس کرے گا، جب تنگی میں ہوگا، جب بیمار ہوگا، جب پریشان ہوگا تو آپ لازماً از خود اس کی ظاہری عملی مدد پر آمادہ ہو جایا کریں گے اور یہ بات جب پیدا ہو جائے داعی الی اللہ میں تو اس کی آواز میں ایک غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور خدمت خلق کرنے والوں کی دعوت الی اللہ بہت زیادہ پھول اور پھل لاتی ہے بہ نسبت ان کے جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم تمہاری مدد میں یہ کام کر رہے ہیں مگر ضرورت کے وقت اس کی ہمدردی ان کے دل سے، ان کے اعضاء سے ظاہر نہیں ہوتی۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ ان مضامین کے ان باریک پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے جماعت احمدیہ اپنی دعوت الی اللہ کے مضمون کو تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے تابع رکھتے ہوئے اس میدان میں آئندہ مزید بلند منازل کی طرف قدم بڑھانے پر مستعد ہو جائے گی۔ یہ جو خدا تعالیٰ نے اب تک ہم سے فیض کا سلوک فرمایا ہے کہ ہر سال ہم دگنے ہو رہے ہیں، اب منزل ایسی آ گئی ہے یہ یقین نہیں آتا کہ اب کیسے دگنے ہو جائیں گے لیکن یہ یقین کا نہ ہونا بھی ایک اندرونی بے ایمانی پر دلالت کرتا ہے، بے ایمانی اس طرح نہیں کہ جیسے خوفناک بے ایمانی ہوتی ہے۔ مطلب ہے ایمان میں کچھ کمزوری۔ گویا ہم اپنی طاقت سے بڑھے تھے اور ہماری طاقت اپنی آخری منزل کو پہنچ گئی ہے۔ ہم تو اپنی طاقت سے بڑھے ہی نہیں۔ ہمارے خلوص کو خدا نے قبول فرما لیا اور ہمارے بدن کو خود تھام لیا ہے۔ اسی نے یہ پھل پیدا کیا ہے ہم نے اپنی طاقت سے نہیں کیا، نہ کر سکتے تھے، نہ پہلے کبھی کیا۔ اس لئے آئندہ بھی اگر اسی نے کرنا ہے تو اپنی امیدوں کا سر بلند رکھیں۔ اپنی اطاعت کا سر ہمیشہ

خدا کے حضور جھکائے رکھیں لیکن امیدوں کے سر بلند رکھیں اور بیک وقت یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہونی چاہئیں۔ پس بے دھڑک ہو کر یہ فیصلہ کریں کہ آپ نے اس سال پھر دگنا ہونا ہے اور خدا کے فضل سے اگر یہ فیصلہ یقین اور سچ پر قائم ہے اور آپ کا عمل آپ کے اس حوصلے سے تعاون کرے گا تو میں کامل یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ ضرور دگنے ہوں گے۔ کوئی دنیا کی طاقت آپ کو دگنا ہونے سے روک نہیں سکے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ